# مولانا سمیع اللہ قاسمی (رحمۃ اللہ علیہ)

سراج انور

تقسیم ہند (۱۹۴۷ء) کے بعد..... بھارت میں مجلسِ احرار اسلام کو "احرار خدام خلق" کے نام سے زندہ کرنے اور زندہ رکھنے والی زندہ شخصیت کا تذکرہ اور تعارف!.....ایک بھرپور اور توانا شخصیت کا یادگار اور کامیاب خاکہ!

چھوٹا سا اندازاً پانچ فٹ سے کچھ ہی نکلتا ہوا اور درمیانہ قد، گول مٹول جسم، فربہی کی جانب بے تحاشا مائل۔ بھرے بھرے اعضاء کافی بڑی اور پھولی ہوئی توند، جس پر سے پاجامہ بار بار پھسل کر نیچے آنے لگتا تو گھبرا کر دونوں ہاتھوں سے اسے اوپر کھینچتے۔ پاجامے کے ازار بند سے بندھی ہوئی کنجیاں، جن کے وزن کے باعث ازار بند بار بار نیچے گر پڑتا۔ اور لٹکتا رہتا۔ لیکن اس بات کا ذرا سا بھی احساس نہیں کہ عجیب سی مضحکہ خیز حالت ہے۔ ازار بند کی چابیاں زمین کو بوسہ دیتی اور جھنکار پیدا کرتی ہوئی اور گھسٹتی ہوئی، چال میں عجلت اور گھبراہٹ، چلتے وقت جسم کے اوپری حصے کا آگے کی طرف جھکاؤ۔ عجلت میں یہ احساس ہی ختم کہ لاؤ ایک بار پھر سے ازار بند نیفے میں اڑس لیں۔ چال میں اتنی تیزی کہ کشش ثقل بھی کچھ لگاڑنے سے عاری، گھٹا ہوا سر۔ ایک ملی میٹر اونچائی تک کے خشخاشی بال۔ سر پر گاندھی ٹوپی، موٹے کھدر کے گھر کے دھلے ہوئے کپڑے۔ پاجامہ، کرتا اور شیروانی، سب کھدر کی۔ سر نہ زیادہ بڑا نہ چھوٹا۔ درمیانی، دماغ دور بینی، سیاسی داؤ پیچ، ہندوستان کے مستقبل کی فکر، سوجھ بوجھ اور انگریزوں کے لئے نفرت سے بھرپور۔ اگر گردن ہوتی تو شاید اس عظیم سر کا بوجھ نہ سہار سکتی، اس لئے کوتاہ گردن۔ سر کا پورا وزن ناتواں کاندھوں پر پڑا ہوا۔ چہرہ بالکل گول۔ اگر چھوٹی سی پھولی ہوئی ناک پر، پرکار رکھ کر گھمائی جائے تو چہرے کی پوری گولائی کو احاطے میں لے لے۔ تنگ پیشانی، ماتھے پر نماز کا گٹہ۔ تل چانولی داڑھی، مونچھوں پر مشین پھری ہوئی، یعنی قطعی شرعی انداز کی داڑھی مونچھیں، نفاسا دبانہ۔ پتلے پتلے بھیچے ہوئے لب۔ ابھرے ہوئے اور پھولے سے گال، جن کے باعث سنجیدہ حالت میں بھی مسکراتے ہوئے سے لگتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی چیاں جیسی آنکھیں جو ہنستے وقت تقریباً بند ہو جاتیں اور مخاطب یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ وہ دیکھ کدھر سے رہے ہیں؟ آواز نہ بھاری نہ مہین، لہجہ میں بیتابی اور عجلت۔ ایک ہی نام کو اس عادت کے باعث بڑی روانی سے بار بار بولنے کی عادت۔ پارہ صفت شخصیت، ادیبوں اور شعراء کے حاشق۔ دکان مثل خانقاہ، جہاں ہر شخص حاضری دینے چلا آرہا ہے۔ یا پھر ایک کبوتر باز کی چھتری، جس پر ہر نسل اور ہر قوم کا کبوتر آکر بیٹھتا ہے اور ہمیشہ کے لئے گردان ہو جاتا۔ غریبوں، مسافروں اور یتیموں کے انتہادرجے کے ہمدرد، ہر ایک کے دکھ درد میں برابر کے شریک، سب سے بڑی سعادت حاصل کہ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے داماد۔ تحریک آزادی

کے ہیرو۔ قید و بند کی صعوبتوں کے عادی اور ہر وقت جیل جانے کے لئے تیار۔ یہ تھے حضرت مولانا سمیع اللہ قاسمی!

مولانا ۱۹۰۷ء میں ضلع ہردوئی کے قصبہ شاہ آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد منشی نسیم اللہ مرحوم ایک سرکاری اسکول میں مدرس تھے۔ مولانا کم عمری ہی میں دینی علوم کی تحصیل کے لئے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور گئے۔ وہاں مولانا اسعد اللہ صاحب کے خاص شاگرد رہے۔ وہاں سے فارغ ہو کر دیوبند آگئے اور ۱۹۲۷ء میں وہاں سے سند فضیلت حاصل کی۔ دارالعلوم میں مولانا کے خاص اساتذہ میں شیخ الہند، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، علامہ انور شاہ کشمیری، شیخ الادب مولانا اعزاز علی، حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی۔ مفتی عزیز الرحمان اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی مرحوم تھے۔ تحصیل علم کے شوق کی فراوانی کا یہ عالم تھا کہ مولانا نے کرنال جا کر سنسکرت بھی سیکھی۔

مولانا نے کانگریس میں شامل ہو کر حکومت برطانیہ کے خلاف جوش و خروش سے حصہ لیا۔ بیرسٹر آصف علی، چودھری برہم پرکاش، لالہ شام ناتھ، انور دہلوی، عبداللہ فاروقی اور مولانا وحید الدین قاسمی، ان کے معاصرین اور جنگ آزادی کے ہمدوش سپاہیوں میں تھے۔ کانگریس کے علاوہ مولانا مجلس احرار کے بھی سرگرم رکن تھے۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے زیر قیادت آغا شورش کاشمیری، غلام نبی جانباز، حافظ علی بہادر خاں، چودھری عبدالستار اور حکیم عبدالحفیظ کے ساتھ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تقسیم ملک کے بعد جب احرار پارٹی کی سیاسی حیثیت برقرار نہ رہ سکی تو احرار خدام خلق کی بنیاد ڈالی اور تازیست اس کے صدر رہے۔ سیاسی میدا میں مولانا سمیع اللہ بڑی برق رفتاری سے کام کرتے تھے۔ مخالف پارٹیوں کے جلسوں کو درہم برہم کرنے اور برطانوی سامراج کے خلاف ہینڈ بل واشتہار تقسیم کرنے میں بڑے ماہر تھے۔ ایک بار کچھ انگریز مخالف اشتہار تقسیم کرنے کے لئے مولانا کو پشاور بھیجا گیا۔ ان کی انہی آؤٹ ڈور سرگرمیوں کی وجہ سے کانگریس ہائی کمان کی طرف سے مولانا کو یہ ہدایت تھی کہ وہ ایسا کوئی قدم نہ اٹھائیں کہ انہیں جیل جانا پڑے۔ ایک عرصہ تک مولانا اور مولانا امداد اللہ صابری صاحب پر انگریزی حکومت نے یہ پابندی لگائی کہ وہ ٹرام لائن کو پار کر کے جامع مسجد میں نہیں جاسکتے۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۴۰ء کو دلی کے چیف منسٹر کے ایک حکم کے مطابق مولانا کو دہلی کی حدود میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔ اور ۱۹۴۱ء میں دوسرے آرڈر کے مطابق انہیں ۱۴ مئی بدھ کی دوپہر تک دہلی میں حاضر رہنے حکم دیا گیا تھا۔ مولانا کی سیاسی سوجھ بوجھ اور صلاحیتوں کے باعث ۱۹۳۰ء کے آس پاس پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک معقول مشاہرے پر اپنے ساتھ رہ کر کام کرنے کی پیش کش کی تھی جو مولانا نے قبول نہیں کی تھیں۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مولانا جب دہلی آئے تو آپ نے کچھ عرصے تک کتب خانہ رحیمیہ میں کام کیا۔ اور کچھ دن مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی میں درس دیا۔ مارچ ۱۹۳۷ء میں مولانا نے کتب خانہ عزیز یہ قائم کیا، جس میں کتابوں کے ساتھ ساتھ کھدر کے تھان بھی رکھے۔ انہیں انگریزی لباس اور کپڑے

سے سخت نفرت تھی۔ اسی لئے ہاتھ کا بنا ہوا کھدر دکان میں بڑے فخر کے ساتھ رکھتے تھے۔ اس وقت بازار میں صرف ایک دو دکانیں کتابوں کی تھیں۔ اردو بازار کا نام مچھلی والان تھا۔ مولانا کی کوشش اور ترغیب سے مزید دکانیں کھلیں۔ حضرت خواجہ حسن نظامی اور مولانا سمیع اللہ کی کوششوں سے مچھلی والان کا نام اردو بازر پڑ گیا۔

مولانا کا نکاح ۲۶ جولائی ۱۹۳۰ء مطابق ۲۹ صفر ۱۳۴۹ھ بروز ہفتہ، حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی صاحبزادی سے ہوا۔ بانی تحریک تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نکاح پڑھایا۔

یہاں میں یہ عرض کردوں میرے والد مرحوم سید جلال الدین بھی مجاہد آزادی تھے۔ تحریک خلافت میں وہ سبحان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب کے ساتھ میانوالی جیل میں رہے۔ میرے والد آصف علی والنٹیئر کور میں کپتان کے عہدے پر فائز تھے۔ ۱۹۴۷ء میں والد مرحوم کی کناٹ پیلس والی دکان لوٹ لی گئی وہ بے سہارا ہو گئے، ان کا دل ٹوٹ گیا اور وہ نقل وطن کر کے بھوپال یا ٹونک جانے کی سوچنے لگے۔ یہ مولانا سمیع اللہ قاسمی ہی تھے جنہوں نے والد مرحوم کو اس اقدام سے باز رکھا۔ انہیں بتایا کہ یہ جامع مسجد اور لال قلعہ تمہارے اجداد کے تعمیر کردہ ہیں۔ یہ تمہیں یاد کریں گے۔ اس کے بعد مولانا نے بڑی تگ ودو کے بعد والد صاحب کو اردو بازار میں ہی دکان دلوائی جو آج تک قائم ہے۔

مولانا کی دکان کتب خانہ عزیزیہ پورے ہندوستان کی سیاسی، سماجی، علمی اور ادبی شخصیتوں کا ایک بے مثال مرکز رہا ہے۔ کتب خانے کے باہر لکڑی کا ایک تخت اور ایک بنچ پڑی ہوئی تھی جس پر ہندوستان کی تقریباً تمام بڑی بڑی شخصیتیں بیٹھ چکی ہیں۔ کوئی شاعر، کوئی ادیب اور کوئی دانشور ایسا نہ ہوگا جسے اس بنچ پر بیٹھنے کی سعادت نصیب نہ ہوئی ہو۔ برصغیر کے مایہ ناز علماء میں سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب۔ شیخ الحدیث محمد زکریا رئیس المبلغین حضرت مولانا محمد یوسف، ابوالمحاسن مولانا ابوالکلام آزاد، سبحان الہند مولانا احمد سعید، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد منظور نعمانی، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب، دیوان عنایت حسین صاحب، سجادہ نشین درگاہ اجمیر شریف، مفتی عتیق الرحمان عثمانی، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن، حاجی محمد صالح، مولانا سمیع اللہ سے خاص انسیت رکھتے تھے۔ ملک کے ممتاز صحافیوں میں سے حافظ محمد یوسف دہلوی، مولانا عبدالواحد صدیقی، حیات اللہ انصاری، اسحاق علمی کانپوری، خوشتر گرامی، مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی، جمیل مہدی، سلامت علی مہدی، عبداللہ فاروقی، وغیرہ سے مولانا کو گہرا قلبی تعلق رہا تھا۔

ادیبوں شاعروں اور دانشوروں میں سے جن حضرات کو میں نے اپنی آنکھوں سے خانقاہ عزیزیہ کی چوکھٹ کی جبہ سائی کرتے دیکھا ہے۔ ان میں جانشین داغ سراج الدین خاں، سائل دہلوی، وحیدالدین سلیم دہلوی، مولانا حسرت موہانی، جگر مراد آبادی، جوش ملیح آبادی، فراق گورکھپوری، ساحر لدھیانوی، مجروح سلطانپوری، احمق پھپھوندوی، شکیل بدایونی، قتیل شفائی، حفیظ جالندھری، ماہر القادری، مولانا انور صابری،

منور لکھنوی، ساحر ہوشیارپوری، روشن صدیقی، ساغر نظامی کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، عرش ملسیانی۔ جگن ناتھ آزاد، پنڈت ہری چند اختر، بسمل سعیدی، دھرم پالی گپتا وفا، پنڈت رام کرشن مضطر گلوڑوی، رفعت سروش، سلام مچھلی شہری، نریش کمار شاد، شمیم جے پوری، بلال سیوہاروی، فنا نظامی کانپوری، نذیر بنارسی، سلیم کھتولوی، عزیز وارثی، بیکل اتساہی، خمار بارہ بنکوی، استاد رسا دہلوی، مجاز لکھنوی، کرشن چندر، جوہر دہلوی، گوپال متل، گلزار دہلوی وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے شعرا اور ادیب بھی گاہے گاہے رونق افروز ہوا کرتے تھے۔ ہندوستان کے ان گنت مشاعروں کی ترتیب اور انتظام یہیں سے ہوا کرتا تھا تقریباً روز ہی دکان میں محفل شعر و سخن منعقد ہوتی اور رات گئے تک جمی رہتی۔ جگر مراد آبادی مشاعرے کے علاوہ کہیں بھی غزل نہیں سناتے تھے۔ مگر دہلی میں قیام کے دوران دکان میں رات کے دو بجے تک تازہ کلام سناتے رہتے۔ جو نشست جمتی اس میں مخالف وموافق، ہر مزاج اور ہر ذہن کے لوگ آتے اور یہاں بیٹھ کر باہمی رنجشیں بھول جاتے۔ سیاست اور ادب بھی موضوع گفتگو بنتے۔ نو آموز حضرات اپنی تحریر یا کلام کے کچھ حصے سناتے اور حسب توفیق یا تو داد پاتے یا تنقید کا نشانہ بنتے۔ مولانا کی دکان درحقیقت قومی یک جہتی کا گہوارہ تھی۔ جہاں ہر طبقہ فکر کے لوگ جمع ہوا کرتے تھے۔

۱۹۴۷ء کے بعد جب فرقہ پرستی نے سر ابھارا اور جگہ جگہ بے گناہ انسانوں کی جان ومال کا اتلاف ہونے لگا تو مولانا بہت دل برداشتہ ہوتے تھے اور پولیس ومقامی حکام کی جہاں جہاں جانبداری اور نااہلیت کو دیکھتے تو اپنی حکومت پر سخت سے سخت تنقید کرنے سے بھی نہ چوکتے۔ ہندوستان جب آزاد ممالک کی صف میں کھڑا ہوا اور پنڈت جواہر لال نہرو نے مارشل ٹیٹو اور صدر ناصر کے ساتھ مل کر دنیا کو ناوابستہ تحریک سے روشناس کرایا۔

مولانا بے حد زندہ دل، بذلہ سنج اور خلیق انسان تھے، جب کوئی مصیبت کا مارا مسافر اردو بازار سے گزرتا، تو اسے دسترخوان پر ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے، جب وہ کھانا کھالیتا تو اس سے شہر دلی میں وارد ہونے کی داستان سنتے اور فرماتے "بھائی یہ تو دلی کا مقدر ہے۔ قدیم زمانے سے لے کر اب تک سبھی دلی پر دھاوا بولنے کے لئے چلے آرہے ہیں۔ تم نے بھی یہی کیا ہے۔ اب آئے ہو تو کیا کرو گے، یہ سوچا ہے؟" نووارد کہتا "جناب ملازمت کی تلاش میں آیا ہوں" سوال ہوتا" کوئی ہنر جانتے ہو؟ دلی تو ہنرمندوں کا شہر ہے۔ وہ نفی میں گردن ہلاتا تو کچھ دیر افسوس کرتے رہتے۔ بار بار اس کی صورت دیکھتے اور پھر کوشش کرتے کہ اسے کسی کام پر لگوادیں۔ وہ دعائیں دیتا ہوا جاتا تو اسے روک کر کہتے "میاں میں بھی تو غرض مند ہوں۔ کوئی مفت میں یہ کام تھوڑا ہی کیا ہے۔ میں نے ان دعاؤں کے لئے ہی اتنی محنت کی تھی۔

عموماً ایسا ہوتا کہ دسترخوان بچھانے کی استطاعت ہوتی۔ جیب خالی ہوتی اور کسی مسافر کی مدد کرنی بھی ضروری ہوتی۔ دائیں طرف رکھے ہوئے لکڑی کے بکس کی تلاشی لیتے تو صرف چند اکنیاں پڑی پاتے۔ فوراً کچھ سوچ کر ایک عزم کے ساتھ بے ساختگی سے اٹھتے اور موٹے کھدر کا پاجامہ تونبد سے نیچے کھسکتا تو گھبرا کر

دونوں ہاتھوں سے نیفے کو اوپر کھینچتے۔ ازار بند زمیں بوس ہوتا رہتا اور وہ اس بات سے بے خبر دکان سے نیچے اتر کر جوتی پہنتے۔ پاجامے کو پھر اوپر کھینچتے۔ اتنی فرصت نہ ہوتی کہ ازار بند کھول کر دوبارہ کس لیں۔ مسافر کو ساتھ لیئے اس انداز سے آگے بڑھتے کہ ایک ہاتھ نیفے کو تھامے ہوئے ہے اور دوسرے سے مسافر کا ہاتھ پکڑ رکھا ہے۔ کھدر کی ٹوپی سر پر بڑی جمی ہوئی ہے۔ چال عجلت کے باعث ایسی ہو گئی ہے گویا فٹ بال لڑھک رہی ہے۔ اب ایک ایک دکان پر مسافر کو لئے لئے پھرتے ہیں۔ اور لوگوں کو مجبور کر رہے ہیں کہ یہ مسافر ہے اپنے وطن جانا چاہتا ہے۔ چند روپے دو۔ یہ دست سوال ہر دکاندار کی طرف دراز ہوتا رہتا۔ لوگ عادت سے واقف تھے۔ اٹھنی یا روپیہ ضرور دیتے تھے۔ جب تھوڑی بہت رقم جمع ہو جاتی تو سوالی کو دے دیتے اور ہدایت کرتے کہ جاؤ آئندہ جب جیب میں رقم ہو تب دلی کا رخ کرنا۔ کچھ لوگوں کو مولانا کی یہ عادت پسند نہیں تھی۔ وہ زبان سے کچھ نہ کہتے البتہ اعتراض ضرور کرتے تھے۔ ایک دن جب کسی دیہاتی بزرگ کا ہاتھ پکڑ کر وہ میرے پاس آئے تو میں نے دکانداروں کی نمائندگی کرتے ہوئے اعتراض دہرا دیا کہ مولانا آخر آپ یہ تکلیف کیوں کرتے ہیں، لوگوں کو خود مانگنے دیجیے۔ مولانا کا جواب ہوتا۔ یہ خود مانگے گا تو کوئی اسے کچھ نہ دے گا۔ یہ بھکاری نہیں، مصیبت کا مارا ہوا ہے، میں اس کے ساتھ اس لئے ہو جاتا ہوں کہ دعائیں اور ثواب ملتا ہے میں یہ ثواب اکیلا ہی کمانا نہیں چاہتا۔ سب کو اس میں شریک کر لیتا ہوں۔"

مولانا کا نعرہ تھا "چائے پیو یا پلاؤ" اور یہ بات ہر خاص وعام کے لئے مخصوص ہوتی تھی۔ مولانا کی جیب میں پیسے ہوتے تو وہ خود چائے پلاتے، نہ ہوتے تو دوسروں سے کہا جاتا کہ وہ چائے پلائیں۔ چند پھکڑ شعرا یا ادیب آگئے تو صورت دیکھتے ہی جان گئے کہ چیل کہ گھونسلے میں ماس نہیں ہے۔ چپکے سے ملازم کے کان میں کچھ کہا۔ وہ اٹھ کر چلا گیا۔ اور جلد ہی بڑی سی کیتلی میں چائے اور دس بارہ کپ لے کر آگیا۔ دکان کیا تھی ایک انجمن تھی، ایک دیوان خانہ تھا، اردو ادیبوں کا ایک کلب تھا۔ ادیب دلی کا ہو یا لکھنو کا، حیدر آباد کا ہو یا پاکستان کا۔ یہاں سب کا استقبال ہوتا تھا۔ کاروبار کی فکر نہ مالک کو تھی نہ ملازم کو۔ کوئی شامت کا مارا گاہک آگیا تو آیئے تشریف لایئے، جوتیاں اتار کر اندر آجایئے، کہہ کر اسے بلالیا، چائے کا دور چل رہا ہے تو اسے بھی شامل کر لیا۔ وہ حیرت زدہ کہ کیسی دکان ہے جہاں کتاب خریدنے سے پہلے تواضع ہو رہی ہے۔

مولانا سمیع اللہ بے حد متواضع قسم کے انسان تھے اگر ان کی جیب میں رقم نہ ہوتی تو بعض دفعہ ایسی انوکھی اور عجیب حرکتیں کرتے کہ دیکھنے اور سننے والے دنگ رہ جاتے۔ نیچے چند واقعات لکھ رہا ہوں۔ اگر مولانا کے بارے میں کچھ بھی نہ لکھا جائے تو یہ واقعات ان کی عادات واطوار کی مکمل عکاسی کرنے کے لئے کافی ہیں۔ دوسروں سے ان کی ہمدردی، محبت اور برتاؤ کی بہترین مثال ہیں۔ واقعات تو لاشمار ہیں۔ پوری باتیں لکھی جائیں تو الگ سے ایک کتاب تیار ہو جائے۔ لہٰذا چند چنیدہ واقعات لکھنے پر ہی اکتفا کر رہا ہوں۔ ان سے مولانا کی شخصیت کا ہر پہلو کھل کر سامنے آجائے گا۔

جوش ملیح آبادی عموماً فجر کی نماز سے پہلے آجایا کرتے۔ پھر بھبکتی ہوئی روٹیوں کے ساتھ نہاری کھائی

جاتی۔ ایک دن جوش صاحب کو نہاری کھلانے کے لئے رقم نہ تھی۔ بے حد پریشان تھے کہ کل جوش آئیں گے تو کیا کھائیں گے۔ رواداری کی حد یہ تھی کہ ایک دن پہلے ہی چند قیمتی کتابیں اصل قیمت سے بھی کم میں فروخت کردیں اور جوش صاحب کی معمول کے مطابق دعوت کی۔ لیکن ایسی دعوت کبھی کبھار مہنگی بھی پڑ جاتی اور دوسروں سے برا بھلا سننا پڑتا۔ مولانا کے مزاج میں چونکہ مزاح کا عنصر بہت زیادہ تھا اس لئے وہ بعض اوقات شرارت کی انتہائی بلندیوں کو بھی پھلانگ جاتے۔ برابر ہی میں شبیر احمد جلد ساز کا کارخانہ تھا، انہیں معدے کی خرابی کی شکایت رہتی تھی۔ کسی نے کہہ دیا ورزش کرو۔ بیچارے پہلے ہی اکہرے بدن کے تھے۔ ایک بار ورزش کر کے ہانپتے آئے تو مولانا کی دکان کے سامنے لڑکھڑا کر گر پڑے۔ مولانا سمجھے انہوں نے شراب پی رکھی ہے۔ لکڑی اٹھائی اور انہیں دھن کر رکھ دیا۔ ساتھ ہی ڈانٹا کہ خبیث داڑھی لگا کر بھی شراب پیتا ہے! حقیقت کا علم ہوا تو بہت شرمندہ ہوئے اور شبیر احمد سے معافی مانگی۔

ان ہی شبیر احمد کی دکان میں ایک کاریگر معین الدین بنگالی رہتا تھا جو بے گھر ہونے کے باعث دکان ہی میں سوتا تھا۔ اگلے دن عید تھی، مولانا کی جیب ہلال عید کے درمیانی حصے کی مانند خالی تھی۔ اور ایک بیوہ کی مدد کرنی بھی ضروری تھی۔ رات کے بارہ بج چکے تھے جان رات کے باعث سڑک پر رونق تھی۔ مولانا چپکے سے دکان سے اٹھے۔ معین الدین بنگالی کو دیکھا وہ سو رہا تھا۔ آہستہ سے اس کی جیب کی تلاشی لی۔ تیس روپے نکالے اور آگئے۔ عید کی نماز کے بعد دیکھا معین الدین گالیاں بکتا ہوا جارہا ہے۔ اس سے پوچھا ارے گالیاں کیوں بک رہے ہو؟ وہ بولا" مولوی شاب، رات کشی شالا نے ہماری جیب سے پیشہ نکال لیا" اس وقت مولانا کی جیب میں رقم آچکی تھی۔ ہنس کر بولے؟ ارے میاں وہ شالا میں ہی تھا۔ ضرورت تھی تمہیں اپنا سمجھ کر نکال لیئے۔ اب خدا کے واسطے مجھے گالیاں مت دو، یہ اپنے تیس روپئے سنبھالو اور عید مناؤ۔

دوسروں کی جیب سے پیسے نکلوا کر جائے پینا اور پلانا مولانا کی فطرت تھی اور انہیں ایسا کر کے ایک خاص لطف حاصل ہوا کرتا تھا۔ ایک بار سب انسپکٹر آگیا۔ اس نے اعتراض کیا کہ آپ کی دکان صبح چھے بجے سے رات دو بجے تک کھلی رہتی ہے۔ آپ نے چھٹی کا فارم بھی نہیں لگا رکھا۔ آپ کا چالان ہوگا۔ مولانا اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ بولے، آپ بیٹھ جائیے اور جیب میں سے دو اکنیاں نکالئے۔ انسپکٹر حیرت زدہ کہ نہ جانے اس بات کا کیا مطلب ہے ؟۔ وہ مولانا کے اخلاق سے بھی متاثر ہوا تھا۔ اس نے دو نی دے دی۔ مولانا نے فوراً چائے منگوائی اور اسے پلائی۔ بعد میں فرمایا۔" میاں ہم قلندر لوگ ہیں۔ صبح سے رات گئے تک آپ لوگوں کی خدمت کے لئے دکان کھولے رکھتے ہیں۔ آپ تشریف لیجائیے اور جب چائے پینے کی خواہش ہو، جیب میں دو اکنیاں ڈال کر یہاں آجائیے۔" انسپکٹر مسکرانے لگا اور ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔

کوئی بدمعاش تھا جو جیل سے فرار ہو کر آیا اور بندو پان والے کی دکان پر کھڑا ہو کر پان کھانے لگا۔ پولیس نے آکر دھر لیا۔ بدمعاش نے چاقو نکال لیا۔ اس پر پولیس اسے گھسیٹتی ہوئی دریا گنج کی طرف لے جانے لگی۔ مولانا کی دکان کے سامنے پہنچا تو اکڑ دکھانے لگا۔ اس پر پولیس نے اسے لٹا کر ڈنڈوں سے مارنا

شروع کیا۔ مولانا یہ ظلم دیکھ کر برداشت نہ کرسکے اور بدمعاش کے اوپر گر کر اسکی ڈھال بن گئے۔ منع کرتے رہے کہ مت مارو اتنی بے دردی سے۔ پولیس نے مداخلت کے جرم میں پکڑلیا۔ علاقے کے لوگوں نے بمشکل چھڑایا۔ جیل جانے کے لئے وہ ہمیشہ تیار رہا کرتے تھے اور اس مقصد کے لئے ایک بستر اور وضو کا لوٹا ہر وقت تیار رکھتے کہ نہ جانے کب جانا پڑجائے۔

شکیل بدایونی مرحوم سے مولانا کو خاص لگاؤ تھا اور شکیل بھی ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ شکیل کی نظروں میں مولانا کی کیا قدرو قیمت اور اہمیت تھی وہ ایک خط سے عیاں ہے جو شکیل بدایونی نے بیس جنوری۱۹۵۸ء کو مولانا کو باندرہ بمبئی سے لکھا تھا، وہ لکھتے ہیں:

محب محترم و معظم مولوی صاحب! وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو! میں وہی ہوں آپ کا شکیل بدایونی۔ جسے ایک ہزار میل کی دوری نے شاید آپ کے دل سے فراموش کروادیا ہے۔ آپ کی دکان جوزائرین ادب کے لئے مکہ سے کم نہیں۔ اب تک میرے تخیل کی دیوار پر نقش ہے۔ کیسے کیسے لوگ آئے اور در حضور پر سجدے کر کے چلے گئے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ آغا طاہر مرحوم اور احمق پھپھوندوی اسی محبت کو لے کے طواف کرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ مگر برا ہوا موت کا جس کو یہ اظہار عقیدت گوارا نہ ہوا۔ اور ان کو وہاں پہنچادیا جہاں سے ہم کو کوئی ان کی خبر نہیں آتی۔ اقبال مرحوم، مرتبہ، اسلام کی جھلک اگر اپنے اس مصرع میں بیان نہ کرتے

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز

تو شاید یہی شعر میں آپ کی دکان کی شان میں کہہ ڈالتا۔ میرا خیال ہے کہ اس مصروف اور تیز رفتار زندگی میں اگر مطالعہ کی مہلت نہ مل سکے تو انسان کو چاہیئے کہ کچھ دنوں کتب خانہ عزیزیہ میں صرف تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ آیا کرے۔ مختلف نظریات کے اس سنگم پر کیا نہیں ملتا۔ خدا اسے سلامت رکھے۔ اور آپ کی عمر اتنی دراز ہو کہ چاند سورج کو بھی آپ پر رشک آنے لگے"

ایک بار شکیل اور نابینا مشاعرے سلیم کھتولوی کسی مشاعرے میں دلی آئے۔ مولانا نے شکیل سے کہا کہ اپنے معیار کا کوئی مشاعرہ سلیم کھتولوی کو دلوادو کیونکہ انہیں اپنی لڑکی کی شادی کرنی ہے۔ شکیل نے اپنے پاس سے پانچ سو(۵۰۰) روپے دیئے۔ مولانا نے پوچھا کہ اگر تمہاری دو لڑکیوں کی شادی ہو تو کیا پانچ سو میں ہو جائے گی۔ شکیل نے ایک ہزار کا چیک کاٹ دیا۔ مولانا نے پھر کہا کہ ایک نابینا شخص کہاں بنک کے چکر کاٹتا پھرے گا۔ یہ سن کر شکیل نے کچھ رقم اپنے پاس سے اور کچھ دوسروں سے لے کر اسی وقت سلیم کھتولوی کو دی۔

دلی میں ایک صاحب ہیں بنارسی لال، انہوں نے حضرت جگر مراد آبادی کا کلام بغیر حقوق کے رقم دیئے چھاپ لیا۔ جگر صاحب نے مولوی صاحب سے شکایت کی اور کہا کہ میں بنارسی لال پر دعویٰ دائر کردوں گا۔ مولانا نے فوراً بنارسی لال کو بلوایا اور کہا کہ یہ جگر صاحب ہیں اور مقدمہ بھی بڑی بے جگری سے لڑتے ہیں۔

یہ نوبت آنے سے پہلے ان کے پیر پکڑلو۔ غرض بنارسی نے پیر پکڑ لئے اور اس طرح حقوق ادا ہوگئے۔

اردو بازار کے کچھ من چلوں نے ایک بار مولانا سے کہا تھا کہ حضرت آپ کی کافی عمر ہو گئی ہے۔ نہ جانے کب بلاوا آجائے اس لئے پہلے ہی سے اپنی وصیت کر دیجئے۔ مولانا نے ہنس کر فرمایا تھا۔ ہم ابھی جانے والے نہیں ہیں۔ ہمارے ہاں اسی نوے سال میں جایا کرتے ہیں۔ پھر بھی وصیت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور وہ یہ ہے کہ ہمیشہ مسافروں کی خبر گیری کرو۔ ان کے دکھ درد کو اپنا سمجھو۔ حتی الامکان ان کی مدد کرو اور ان کی جو بھی ضرورت ہو وہ پوری کرو۔ چونکہ مولانا آخری عمر میں ذیابیطس اور اختلاج قلب کے امراض میں مبتلا ہو گئے تھے۔ چنانچہ نوجوانوں کو اپنی وصیت سنانے کے عین نو دن بعد انہوں نے ۶/ اگست ۱۹۶۹ء بروز بدھ رات کے تقریباً آٹھ بجے اپنی محبوب نشست گاہ یعنی کتب خانہ عزیزیہ میں ہی دائمی اجل کو لبیک کہا اور جامع مسجد کے شمالی دروازے کے نیچے باغیچی میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے۔ مولانا کی نماز جنازہ امیر جماعت تبلیغ، مولانا محمد انعام الحسن صاحب نے پڑھائی۔

ایسے پیارے لوگ، غریبوں کے ایسے ہمدرد، احباب کی قدر اور بزرگوں کا ادب کرنے والے، بڑوں میں بڑے اور نوجوانوں میں نوجوان بن جانے والے، ہر کس و ناکس کے غم خوار اور وضعدار لوگ دلی میں اب کہاں؟ مولانا سمیع اللہ قاسمی کی یاد اب جب بھی آتی ہے تو بے ساختہ میر کے انداز میں سوچنا پڑتا ہے:

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

(از۔۔۔ "آزادی کے بعد دہلی میں اردو خاکہ" مرتبہ پروفیسر شمیم حنفی) (ص ۲۳۵ تا ۲۴۶) (اردو اکادمی دہلی)


شہر سُدوم

تالیف: شفیق مرزا، صفحات: ۱۷۶، قیمت: =/100

مرزا غلام احمد قادیانی سے لے کر مرزا طاہر تک قادیانیوں کے جنسی سکینڈلز، قادیانی مذہب کی حقیقت، چشم کشا، ہوشربا، سنسنی خیز کہانی

بخاری اکیڈمی دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان فون: 511961